پروفیسر خالد شبیر احمد (مرکزی ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان) (قسط نمبر۲)

اکابر اسلام اور قادیانیت

سوڈان میں وہ ایک مہدی کی فوق العادت قوت کا مشاہدہ کر چکے تھے اور ابھی تک وہ اپنے وسیع ذرائع و وسائل کے باوجود مہدی سوڈانی اور اس کے درویشوں کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ کلکتہ کے ایوان حکومت، ہندوستان کے برطانوی دارالحکومت اور اس کے مشیر سخت اضطراب کے عالم میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ ایک مہدی نے ہندو کش کی بلندیوں سے اتر کر جہاد کا علم بلند کر دیا تو ہم کیا کریں گے؟ روس یقیناً اس موقع سے فائدہ اٹھائے گا۔ افغانستان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ باقی رہے ہندستان کے مسلمان تو جہاد کے نفیر عام کے بعد شاید وہ بھی بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر چار الفاظ تھے۔ مہدی، جہاد، روس اور امیر کابل۔ اور ہندستان کے نائب السلطنت کی زبان بھی انہیں الفاظ کے اعادہ و تکرار کیلئے وقف ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں ڈاکٹر ہنٹر نے اپنا مشہور رسالہ ''انڈین مسلمانز'' لکھا، جس میں انہوں نے سلطنت اور امارت کے باب میں مسلمانوں کے معتقدات بیان کر کے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ اسے مسلمانوں کی جانب سے کبھی مطمئن نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ قوم مذہبًا اس امر پر مجبور ہے کہ کسی غیر مسلم فرماں روا کی اطاعت قبول نہ کرے۔ سرسید احمد خان نے اس کے رد میں ''اسباب بغاوت ہند'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ سرسید پہلے ہی مسلمانوں کے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ وہ محکومی کی موجودہ حالت پر قناعت کر کے اپنی اندرونی اصلاح اور تعلیم کے مسئلے پر اپنی تمام تر توجہات صرف کر دیں۔ ''انڈین مسلمانز'' کے بعد ان کے خیالات زیادہ پختہ ہو گئے اور وہ انگریزوں اور مسلمانوں کے مابین بہتر تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ ساتھ ہی انہوں نے اسلام کو علوم جدید کے مطابق کرنے کی سعی کی۔ مسئلہ جہاد کی تاویل کی، ظہور مہدی کے مسئلہ کا سختی سے انکار کیا اور اشاعت تعلیم کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ انگریزوں کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو مذہب کے حربے سے لوگوں کے دلوں پر ان کی وفاداری اور اطاعت منقوش کرائے۔ دنیوی فرماں رواؤں نے مذہب کو ہمیشہ اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا ہے۔ انگریز اپنے ملک میں مذہب کو ایک کارآمد سیاسی حربے کی حیثیت سے استعمال کر چکے تھے۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کے باشندوں کے دلوں پر مذہب کی گرفت مضبوط رہی ہے۔ یہی حربہ استعمال نہ کیا جائے۔ اگر افریقہ میں ایک جہاد کی دعوت دینے والا مہدی سوڈانی ہو سکتا ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں حکومت سے وفاداری کا وعظ کرنے والا مہدی پیدا کر دیا جائے۔

غرض مرزا غلام غلام احمد قادیانی نے جب اپنی تحریک کا آغاز کیا تو اس کی نشو ونما کیلئے بے حد مساعد حالات اور سازگار فضا مہیا ہو چکی تھی تو ابتدا میں وہ ایک اسلامی مبلغ کی حیثیت سے روشناس خلق ہوئے (۱) پھر انہوں نے اپنے آپ کو چودھویں صدی کا مجدد کہنا شروع کیا اور اس دعوے کے لئے انہیں کوئی تردد نہ کرنا پڑا۔ کیونکہ لوگوں کے کان تجدید دین کے دعوے سے پہلے ہی آشنا ہو چکے تھے۔ اور خود اس زمانے میں ایک سے زیادہ مدعیان تجدید موجود تھے۔ ہاں ان لوگوں کو الہام کا دعویٰ نہیں تھا۔ مرزا قادیانی نے الہام کا دعویٰ بھی کیا اور اس خیال سے کہ یہ دعویٰ الہام لوگوں کو برہم نہ کر دے اور کہیں وہ بے قابو نہ ہو جائیں۔ انہوں نے اپنے اس زمانے کو آریہ سماجیوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں اسلام کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ یہ تدبیر بہت کارگر ثابت ہوئی۔ اکثر مسلمان علماء یہ سمجھ کر خاموش رہے کہ مرزا غلام احمد کے ادعائے الہام سے انکار کرنا گویا آپ کو اسلام کی صداقت کی ایک عمدہ دلیل سے محروم کر دینا ہوگا۔ اب مرزا قادیانی نے آگے قدم بڑھایا یعنی مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ اور ظہور مہدی کے متعلق جو مجروح اور نا قابل اعتناء روائتیں احادیث میں موجود ہیں ان سے استفادہ کرنے لگے۔ اس دعوے کا ثبوت فراہم کرنے میں انہیں بہت سی ضعیف اور نا قابلِ اعتماد حدیثوں سے مدد ملی جو مجوسیوں نے اپنے غلبہ اور استیلاء کے زمانے میں وضع کر لی تھیں اور جن کا مفہوم یہ تھا کہ مہدی عجمی النسل ہوگا۔

خراسان سے مہدی کا ظہور، مہدی کے ابنائے فارس میں سے ہونا، مہدی کا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی نسل میں ہونا، اس قسم کی حدیثیں ہیں۔ مرزا صاحب مغل تو تھے ہی، انہوں نے فوراً اپنا سلسلۂ نسب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ملا دیا۔

مسلمان عیسائیوں کے غلبے کو دجال کے خروج کی نشانی سمجھتے تھے۔ بلکہ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ دجال سے مراد انگریز ہیں۔ مرزا قادیانی نے اس عام خیال سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں کو دجال کہنا شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی اس نے مسیحیت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو ظلی و بروزی نبی کہنے لگا اور فنافی الرسول کے صوفیانہ عقیدے کا جوڑ ظلی و بروز سے ملا دیا اور جب وہ اچھی خاصی جماعت فراہم کر چکے تو ظلی نبی کی بجائے اپنے لئے نبی کی اصطلاح آزادانہ استعمال کرنے لگے۔

یہ عجیب بات ہے کہ مرزا قادیانی کے حلقہ ارادت میں سب سے پہلے وہی لوگ شامل ہوئے جو فرنگی دشمنی کے باعث ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ یعنی وہابی جماعت کے لوگ جوق در جوق ان کے مریدوں میں شامل ہونے لگے۔ مہدویت اور مسیحیت کا دعویٰ کرنے سے پہلے خود مرزا قادیانی اپنے عام عقائد کے اعتبار سے وہابی (غیر مقلد) تھے

---

(۱) راقم کے نزدیک مرزا صاحب کا ذوقِ تبلیغ بھی سیاسی مقاصد کی پیداوار ہے۔ انگریزی حکومت کے استحکام کیلئے یہ ضروری تھا کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کو آپس میں لڑایا جائے اور ہزار غلام احمد اور ساوی دیانند یہ خدمت جس خوش اسلوبی سے انجام دی ہے اس کی تفصیل غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ (حسرت)

لیکن ان کی وہابیت پر تصوف کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ان کے افکار میں کہیں کہیں وحدتِ وجود کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔اور وہ خدا کے تجسّم وتشبہ کے بھی قائل معلوم ہوتے ہیں۔

خدا کا یعقوب سے کشتی لڑنا، اور حضرت ابراہیم کا خدا کو ممرے کے بلوطوں میں دیکھنا یہود کے عام معتقدات میں سے ہے۔مرزا قادیانی کا عقیدہ بھی توحید وتنزیہہ کے اسلامی عقیدہ کے بجائے یہود کے اس عقیدہ تجسیم سے ملتا جلتا ہے۔چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ خدا کو تینددوے کی صورت میں اور دوسری جگہ ہاتھی دانت کی شکل میں پایا۔اس کے علاوہ انہوں نے اسے بیداری کی حالت میں کاغذات پر دستخط کرتے بھی دیکھا۔چنانچہ سب قدرت کی روشنائی سے مرزا قادیانی کے کپڑے داغدار ہوگئے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد پر غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جتنے باطل تصورات پیدا ہوئے ہیں وہ سب اپنی ایک ترقی یافتہ صورت میں مرزا قادیانی کے ہاں موجود ہیں۔ان میں وہابیت کا ظاہر تو ہےلیکن اس کے باطن یعنی ذوق جہاد سے سروکار نہیں۔وہ سرے سے جہاد بالسیف کے منکر ہیں اور انگریزی حکومت کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں۔وہ صوفی بھی ہیں۔لیکن ان میں نہ تو صوفیوں کی سی فراخ دلی اور وسعت نظر ہے، نہ بے نیازی اور قناعت۔وہ اپنے منکروں کو کافر کہتے ہیں۔اپنے مخالفوں کو بے دریغ گالیاں دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔انہوں نے تصوف کے صرف عقائد کو قبول کرلیا جو مجوسی عقائد کی صدائے بازگشت معلوم ہوتے ہیں اور جنہیں اسلامی تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔یعنی ظلی وبروز تشبہ وتجسّم اور وحدت الوجود ان پر ''بابی تحریک'' (۱) کا بھی کافی اثر پڑا۔چنانچہ چند مسائل کو مستثنیٰ کردیجیے تو ان کے اور محمد علی کے دعوے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔وفاتِ مسیح کا عقیدہ جس پر ان کے دعوے کی عمارت استوار ہے، انہوں نے سرسید احمد خان سے لیا ہے۔اسلامی عقائد کی نئی تعبیر وتفسیر اور علوم جدیدہ سے ان کی تطبیق کے باب میں بھی وہ سرسید کے متبع ہیں۔لیکن ان کی تحریک میں جو چیز سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔وہ تنسیخ جہاد اور انگریزوں کی خلافتِ الٰہیہ کے مسائل ہیں ،اُن کی کتابوں میں کوئی دوسرا مسئلہ ایسا نہیں جس کا ذکر انہوں نے اس جوش وخروش کے ساتھ بار بار کیا ہو۔ان کے خیالات میں تضاد وتباین بے حد ہے وہ خود اپنے دعاوی کے متعلق ایسی متضاد باتیں کہتے ہیں کہ پڑھنے والا پریشان ہوجاتا ہے۔لیکن تنسیخ جہاد اور حکومت انگریزی کی اطاعت کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہر قسم کے ابہام وتضاد سے پاک ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل کو اصل کی حیثیت حاصل ہے اور دوسرے تمام مسائل حتیٰ کہ ان مولانا چراغ حسن حسرتؒ کے اس مضمون کے طویل اقتباس سے یہ بات واضح طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ برطانوی استعمار کے مخصوص مقاصد کی خاطر

---

(۲) جدید تحقیق سے ثابت ہوچکا ہے کہ ''بابی تحریک'' روس کے سیاسی مصالح کی پیداوار تھی (حسرت)

''قادیانیت'' کے پودے کی آبیاری کی گئی۔ اسے آب و دانہ مہیا کیا گیا۔ تاکہ اس کے برگ و بار سے برطانوی استعمار کی قوت میں اضافہ کر کے ملت اسلامیہ کے اتحاد اور اس کی قوت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا جائے۔ دنیائے اسلام کے مسلمانوں میں ملی تشخص کا تصور نہ ابھر سکے اور مسلمانانِ عالم برطانوی تسلط کی جکڑ بندیوں میں پھنس کر ذلیل و خوار ہوتے رہیں۔ ایک طرف مسلمانوں کی ایسی تحریکیں تھیں جو عظمت رفتہ کی بحالی کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں۔ تاکہ مسلمان انگریزی استعمار سے چھٹکارا حاصل کر کے اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہو سکیں۔ تو دوسری طرف خود مسلمانوں کے اندر ایسے فتنے جگائے جا رہے تھے کہ مسلمان غلامی کے طوق کو گلے میں ڈالے یونہی ذلیل و خوار ہو کر برطانوی شوکت و سطوت کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہیں۔ یہ دو قوتیں خصوصیت کے ساتھ ہر مسلم ملک کے اندر ایک دوسرے کے مدمقابل تھیں۔ ہندوستان کو ایک لحاظ سے دوسرے ملکوں پر فوقیت حاصل تھی۔ ہندوستان کے اندر انگریزی حکومت کا استحکام دوسری اقوام عالم کو انگریزوں کا غلام رکھنے میں ایک مؤثر کردار ادا کر رہا تھا۔ انگریزوں نے جاگیردارانہ نظام کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار کر کے عام لوگوں تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ اور یہ جاگیردار اور ان کی جاگیریں ایک طرح کے استعماری قلعے بن گئے تھے جہاں بیٹھ کر انگریز حکمران ہندوستان کے اندر اپنے راج کو بآسانی مضبوط و مستحکم بنیادیں فراہم کر سکتے تھے۔ جاگیردار طبقہ انگریز کی غلامی پر فخر کرتا تھا۔ ان کی حکومت کی فیوض و برکات کو داستانوں کی صورت میں بے شعور لوگوں کے سامنے بیان کر کے ان کے دلوں میں انگریزی حکومت کیلئے وفاداری کے جذبات پیدا کرنا اپنے لئے ایک فرض سمجھتا تھا۔ اس خدمت کے صلہ میں کبھی کبھی کوئی انگریزی افسر کسی ڈیرے دار کے ہاں مہمان ٹھہرتا تو ڈیرے دار اسے شکار کے بہانے علاقے میں نکلتے۔ عام آدمی یہ دیکھ کر کہ وقت کا حاکم خان صاحب، مہر صاحب، چودھری صاحب، ٹوانہ صاحب، نون صاحب، قاضی صاحب کا دوست اور مہمان ہے۔ جاگیردار سے اور زیادہ مرعوب ہو جاتے اور پہلے سے زیادہ جاگیردار کے مطیع ہو کر انگریزی تسلط کے استحکام کا باعث بنتے۔ انگریز سرکاری افسر جاتے ہوئے جاگیردار کو مزید مضبوط بھی بناتا اور اسے اپنے مقاصد کیلئے استعمال بھی کرتا۔

میرے خیال میں قادیانیوں اور جاگیرداروں دونوں کا کردار بنیادی طور پر ایک ہی نوعیت کا تھا۔ مقاصد دونوں طبقوں کے یکساں تھے۔ لیکن قادیانیوں کو جاگیرداروں پر یوں برتری حاصل تھی کہ وہ ایک جماعتی طاقت کے ساتھ منظم ہو کر پورے عالم اسلام میں انگریزوں کیلئے کام کر رہے تھے۔ جبکہ جاگیرداروں کی برطانیہ نواز سرگرمیوں کا مرکز و محور صرف اور صرف ہندوستان تک ہی محدود تھا۔ تاہم عام مسلمانوں کو انگریزی فوج میں بھرتی کی ترغیب دے کر پوری ملت اسلامیہ کو

---

(۳) مقدمہ ''ارمغان قادیان'' (چراغ حسن حسرت) مکتبہ کارواں۔ لاہور

منقول از ''نقیب ختم نبوت'' ملتان رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ بمطابق اپریل ۱۹۹۰ء جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۴، صفحہ ۱۰ تا ۱۶

انگریزوں کا غلام بنانے میں مدد ومعاون تھے۔

ایسے حالات میں مجلس احرار اسلام جیسی دینی، سیاسی اور انقلابی جماعت جسے جماعت سے زیادہ اگر ایک تحریک کا نام دیا جائے تو زیادہ مناسب بات ہے۔ ایک ایسی تحریک جس میں شامل بہادر اور غیرت مند مسلمان جو دینی جذبات سے سرشار ہو کر فقط خدا وند تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے قربانی وایثار کی ایک نئی تاریخ رقم کر رہے تھے۔ جن کا خمیر ہی انگریز دشمنی کے جذبات سے اٹھا تھا، جو انگریزوں کو خدا کی اس پاک دھرتی پر خدائی حاکمیت اور اتحاد بین المسلمین کا ازلی اور ابدی دشمن گردانتے تھے۔ جن کی انگریز دشمنی ضرب المثل بن چکی تھی۔ جن کے رہنما قرآنی تعلیمات کو مشعل راہ تصور کرتے تھے کہ قرآن پاک میں بھی یہی ارشاد ہے کہ ''یہودی اور نصرانی کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے'' ان دو طبقوں سے کیسے غافل رہ سکتے تھے۔ جس راہ پر احرار چل رہے تھے۔ قادیانی ہوں یا پھر استعمار پرست جاگیردار، سرمایہ دار دونوں اس راہ پر احرار کے سب سے بڑے مدمقابل تھے۔ جو اپنی تمام تر طاقت انگریزی اقتدار کو برقرار رکھنے پر صرف کر رہے تھے۔ ادھر کارکنانِ احرار اسلام سے لے کر رہنمایانِ احرار اسلام تک سبھی من حیث الجماعت مصمم ارادہ کئے ہوئے تھے کہ ہندوستان کی سرزمین پر انگریز جیسے دشمنِ اسلام کو چین سے حکومت نہیں کرنے دیں گے۔ احرار اپنے آپ کو جنگ پلاسی پر شکست کھا جانے والوں کے بعد سلطان حیدر علیؒ اور ٹیپو سلطانؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی تحریک ریشمی رومال اور پانچ مقدمہ ہائے سازش (۴) میں پابند سلاسل غیرت مند مسلمانوں کے وارث سمجھتے تھے، سمجھتے ہی نہیں تھے بلکہ عملاً انہوں نے ہر قسم کی ابتلاء کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہی ہندوستان کی دھرتی پر ان تمام حریت پسندوں کے وارث ہیں اور انہی کے نقش قدم پر چلنے کی احرار نے قسم کھا رکھی ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنی کئی تقریروں میں انہی جذبات کا برملا اظہار کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ

> ''میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو غدر کہنے والوں کو غدار کہتا ہوں، میرے سامنے انگریز کی تعریف وتوصیف بہت بڑی جسارت ہے۔ میں اس دھرتی پر انگریز کا ازلی وابدی دشمن ہوں۔ اس لئے کہ اسی انگریز نے ہندوستان کے آخری مسلمان فرماں روا کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ شہزادوں کے سر کاٹ کر اُس کے باپ کے سامنے پیش کئے۔ آزاد قبائلی علاقے پر ظالمانہ بمباری کی گیلی پوش کے مقام پر مصطفیٰ کمال پاشا کے ساتھ ہندوستان کے گلھڑوں، ٹوانوں اور نونوں کو لڑایا۔ قسطنطنیہ کے بازاروں میں خلیفۃ المسلمین کی بیٹی کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔ غلافِ کعبہ کو جلایا، مہدی سوڈانی کو خرطوم کے صدر دروازے پر پھانسی دے کر، اُس کی لاش کو جلایا گیا اور راکھ فضا میں بکھیر دی گئی۔ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر

---

(۴) پہلا مقدمہ انبالہ ۱۸۶۴ء، دوسرا مقدمہ ۱۸۶۵ء، تیسرا مقدمہ راج محل ۱۸۷۰ء، چوتھا مقدمہ مالوہ ۱۸۷۰ء

بمباری کی گئی۔ حتیٰ کہ حرم کے کبوتروں کو زخمی کیا گیا۔ یہی وہ محرکات ہیں جنہوں نے احرار کو انگریز کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا ہے۔ اب قیامت تو آ سکتی ہے لیکن کسی احرار کارکن کے دل کے کسی گوشہ میں انگریز کے لئے کبھی نرمی کا تصور بھی پیدا نہیں ہو سکتا''۔

ایسے حالات میں مجلس احرار اسلام اور قادیانیوں کا ملک کے جاگیرداروں، جن کا ایک وافر حصہ مسلم لیگ اور کانگریس دونوں جماعتوں میں شامل تھا، سے ٹکراؤ ایک یقینی امر تھا۔ لہٰذا یہ دونوں اس شدت کے ساتھ ٹکرائے، اس کی گونج رہتے وقت تک صاف سنائی دیتی رہے گی ایک طرف برطانوی استبداد کے تمام تر ظلم وستم ہیں تو دوسری طرف محض اللہ کے بھروسے، عزم کی پختگی، ایثار وقربانی کا جذبہ۔ ایک طرف شاہی سطوت وشوکت تو دوسری طرف فقر درویشی کی مستی، کون جیتا، کون ہارا؟ وقت نے اپنا فیصلہ کر دیا ہے اور کہتے ہیں، وقت کا فیصلہ ہی درست اور صحیح ہوتا ہے۔ احرار جو ۱۹۱۹ء کی تحریک خلافت میں اپنے سروں پر کفن باندھ کر گھروں سے نکلے تھے، ان کے سامنے پاکستان کی وزارتیں تو نہ تھیں۔ اُن سرفروشوں کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی منزل کہ انگریز کو ہندوستان کی سرزمین سے نکالو۔ ہندوستان چھوڑتے ہی اقوام عالم سے اس کے اقتدار کا جنازہ نکل جائے گا۔ چنانچہ ہندوستان کی آزادی کے بعد ایک ایک کر کے نہ جانے کتنی قومیں انگریزی تسلط سے آزاد فضا میں سانس لے رہی ہیں۔ جن کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ آج وہی سلطنت اس قدر سمٹ چکی ہے کہ اب وہاں سورج طلوع نہیں ہوتا۔ اس ساری جدوجہد میں احرار کا ایک مرکزی کردار ہے، جس سے کوئی مؤرخ انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں؟

اگر چہ قادیانیت انگریزوں کی ایک سیاسی ضرورت تھی، جس کو سیاست کے محاذ پر بڑی چابک دستی کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ تاہم اس کا مذہبی پہلو بھی اپنی تمام تر جعل سازی کے باوجود مسلمانوں کی گمراہی کے لئے ایک خطرناک چال تھی۔ جس نے مجلس احرار اسلام کو بڑی شدت کے ساتھ قادیانیت کے خلاف اسلام عقائد کے محاسبے کیلئے مجبور کر دیا۔

دین اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن اور حدیث ہیں۔ قرآنِ کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب بھی دشمنانِ اسلام کی جانب سے دین اسلام اور امت مسلمہ کی ملی وحدت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو اس کا بڑی شدت کے ساتھ مقابلہ کیا گیا۔ اور دشمنوں کو سوائے ناکامی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ جہاں اور جب بھی حضور ﷺ کے منصب ختم نبوت کو مجروح کرنے کی کوشش ہوئی تو علماء اور عام مسلمانوں نے پوری قوت کے ساتھ منصبِ ختم نبوت کی حفاظت کرتے ہوئے کامیابی حاصل کی۔ اکبر کے ''دین الٰہی'' (جو سرزمین ہندوستان پر مسلمانوں کے ملی تشخص کو تباہ کرنے کی پہلی سازش تھی) میں بھی یہی صورت تھی۔ دراصل ابوالفضل اور فیضی دونوں ایسے حالات پیدا

کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز و محور حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس نہ رہے، جس کے بعد مسلمانوں کو سیکولرازم کی جانب دھکیلنا یا پھر انہیں گمراہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں رہتا۔ (اگر انسان کی نجات کیلئے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ایمان لانا ضروری نہیں رہتا۔ جو دین الٰہی کا ایک بنیادی عقیدہ قرار دیا گیا تھا تو پھر حضور سرورِ کائنات ﷺ کی کیا حیثیت و اہمیت رہ جاتی ہے۔ آپ کے منصب اور مقام کی جو اہمیت اس وقت مسلمانوں کے دل میں موجود ہے وہ باقی نہیں رہتی اور یہی صورت اس وقت بھی پیدا ہوتی ہے جب حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبی تسلیم کر لیا جائے۔ اگر حضور ﷺ کے بعد بھی نبی آسکتے ہیں) اگر دین اسلام میں ترمیم و اضافہ ہوسکتا ہے تو پھر مسلمانوں کی نہ وہ مرکزیت رہتی ہے اور نہ ہی حضور اکرم ﷺ کا وہ مقام و مرتبہ قائم رہتا ہے۔ جسے ہر حال میں قائم رکھنا دین اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ اب قیامت تک کیلئے تو حید الٰہی پر بھی ایمان لانے کیلئے رسالت محمدی پر ایمان ضروری ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ جب آپ ﷺ نے موحدینِ مکہ کے سامنے دین اسلام پیش کیا تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا کہ ہم نے تو یہ سب کچھ پہلے ہی تسلیم کر رکھا ہے اور انہی عقائد پر عمل پیرا ہیں۔ اس پر وحی الٰہی کے ذریعے حضور ﷺ سے کہا گیا۔ کہ اے محبوب! ان سے کہہ دیجئے کہ اب ان کی توحید بھی اس وقت تک مستند نہیں ہے۔ جب تک یہ لوگ آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے۔ آپ کی رسالت پر ایمان لانے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ آپ کو رسول تسلیم کر لیا جائے۔ بلکہ رسالت مآب ﷺ کی رسالت میں جو عقیدۂ ختم نبوت موجود ہے، وہ ایک بنیادی تقاضا ہے جس کے بغیر حضور اکرم ﷺ کی رسالت سرے سے مکمل ہی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کو تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اس ہستی کو وحدہٗ لاشریک نہیں مانتا تو ظاہر ہے ایسا شخص سرے سے مسلمان ہی نہیں رہتا۔ اگر یہی شخص یہ کہے کہ دیکھئے میں اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرتا ہوں اس کے باوجود مسلمان بھی مجھے مسلمان تسلیم نہیں کرتے تو اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ بھلے مانس اللہ تعالیٰ کو اس طرح تسلیم کرو جس طرح حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک شخص حضور اکرم ﷺ کو رسول تو تسلیم کرتا ہے لیکن آپ ﷺ کی ذات اقدس کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتا اور آپ کے بعد کسی دوسرے کو کسی بھی حیثیت میں نبی مان لیتا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ایسا شخص حضور ﷺ پر ایسے ایمان نہیں رکھتا جس طرح حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ایمان لانا چاہیے تھا۔ کیونکہ ختم نبوت کے بغیر حضور ﷺ کا مقام و مرتبہ متعین ہی نہیں ہوتا اور جب تک حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کو تسلیم نہ کیا جائے اُس وقت تک کلام یا پیغام نبوت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مسیلمہ کذاب بھی حضور ﷺ کو رسول تسلیم کرتا تھا۔ آج بھی تاریخ کے اندر وہ خطوط موجود ہیں جن میں مسیلمہ کذاب نے آپ ﷺ کو رسول تسلیم کیا، اس کے باوجود اس کے خلاف فوج کشی ہوئی تو محض اس وجہ سے کہ وہ حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کا انکاری تھا۔ وہ کہتا تھا کہ آپ ﷺ بھی نبی ہیں اور میں بھی نبی ہوں۔ قادیانیوں کا بھی یہی معاملہ ہے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کی رسالت کو بنہ ہر ماننے کے بعد آپ کے خاتم النبیین ہونے

کو تسلیم نہیں کرتے کے بعد مرزا قادیانی کو نبی تسلیم کرتے ہیں، نہ تو حضور ﷺ کے بعد مرزا غلام احمد تک کسی کو نبی مانتے ہیں اور نہ ہی غلام احمد کے بعد کسی مدعی نبوت پر ایمان لاتے ہیں۔ گویا وہ مرزا غلام احمد قادیانی پر سلسلۂ نبوت ختم ہونے کو عقیدے کا لازمی جُز قرار دیتے ہیں۔ اس طرح منطقی طور پر قادیانیوں نے حضور ﷺ کے مقابلے میں مرزا قادیانی کو آخری نبی کے طور پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جو صریحاً تعلیمات اسلام کے خلاف بغاوت ہے۔ اور دین اسلام کے خلاف ویسے ہی ایک سازش ہے جس طرح اکبر کا ''دین الٰہی'' اسلام کے خلاف ایک سازش تھی۔ اسی طرح ہندوستان کی سرزمین پر ایک تحریک ''بھگتی'' تحریک کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ بھی اسلام کے خلاف خلاف سازش تھی کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پرچار تو بڑی شدت کے ساتھ تھا، مگر حضور اکرم ﷺ کی رسالت یا پھر ان کی ختم نبوت کا ذکر کہیں موجود نہ تھا۔ ان تمام سازشوں کا مقصد مسلمانوں کی ملی شناخت کو مجروح کرنا اور مسلمانوں سے حضور اکرم ﷺ سے عقیدت کا دامن چھڑانا ہے۔ جس کے بعد سرے سے کوئی مسلمان کہلوانے کا مستحق ہی نہیں رہتا۔ علامہ اقبالؒ نے نظم اور نثر میں اسی بنیادی عقیدے کو اس طرح بیان کیا ہے:

''اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں۔ یعنی وحدت الوٗہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریم ﷺ کی ختم رسالت پر ایمان...... دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجۂ امتیاز ہے اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ فرد یا گروہ ملت اسلام میں شامل ہے یا نہیں۔ مثلاً برنمو خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں، لیکن انہیں ملتِ اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعے وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت نہیں مانتے جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کرے گا۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کرلیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔ میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کرلیں۔ ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہو، تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں'' (یہ علامہ اقبالؒ کے اس خط میں سے اقتباس ہے جو ۱۰/ جون ۱۹۲۵ء کے روزنامہ ''اسٹیٹسمین'' کے شمارے میں اشاعت پذیر ہوا)

(جاری ہے)